آسمان کی چھت کے نیچے زندگی گزارنے لگتے اور لوٹ مار اور راہ زنی سے اپنا پیٹ بھرتے جہاں رات ہوئی وہیں بستر جما دیا اور سوختہ سامانی کا یہ عالم تھا کہ بستر کی جگہ صرف زمین کا بچھونا ہوتا اور اس پر اپنی سوکھی اور مڑی ہوئی پسلیوں کے بل لیٹ جاتے اور تکیہ کی جگہ اپنے کھردرے سوکھے اور ہڈیاں ابھرے ہوئے ہاتھ رکھ لیتے۔

وألف وجہ الأرض عند إفتراشها　　بأهدا تنبیه سناس قحّل

کیونکہ یہ صعالیک زندگی کو حریر و پرنیان یا اطلس و کمخواب نہیں سمجھتے تھے۔ زندگی میں انسان کو ہر قسم کی نرم گرم جھیلنے کی عادت ڈالنی چاہیئے مصیبتوں میں رونا دھونا نہیں چاہیئے اور جب فارغ البالی ہو تو اترانا نہیں چاہیئے شنفری کہتا ہے:

فلا جزع من خلۃ متکشف　　ولا مرح تحت الغنی أتخیّل

اور وہ کسی درخت کے نیچے کہیں بیابان میں۔ گزر ہی جائے گی ہم خانماں خرابوں کی "دوست احباب اگر بے وفائی کریں تو بھی ہم کو غم نہیں۔ ہم اس پر افسوس نہیں کرتے۔ ان کے غم میں روتے دھوتے نہیں یا ان کی بے وفائی و سرد مہری کا گلہ نہیں کرتے۔ بقول تابطؔ شراً۔

ولا اقول إذا ما خلۃ صرمت　　یا و یح نفسی من شوق و إشفاق

اس طرح اپنی عزت و شرف۔ خودی و خودداری اور اعلیٰ اقدار کو ترجمان بناتے ہوئے موت آجائے اور ہمیں رونے والا کوئی بھی نہ ہو تو ہمیں مطلق غم نہ ہوگا کیوں کہ ہمارا اس دنیا میں سوائے اپنی ذات اور اپنی قوت بازو کے ہے کون؟ نہ خالائیں نہ چچیاں اور نہ عیادت و غمگساری کرنے والے دوست اپنا سب کچھ میں ہوں اور میری تگ و دو۔ بقول شنفری:

اذا ما اتتنی منیتی لم ابالها　　ولم تذرخالاتی الدموع وعمتی

ألا لا تعدنی إن تشکیت خلتی　　شفانی باعلی ذی البریقین علاتی

یعنی؎

پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں　　کوئی آکے شمع جلائے کیوں

کوئی چار پھول چڑھائے کیوں　　میں وہ بے کسی کا مزار ہوں

جب ان کی مہموں اور آزاد کوشیوں کے قصے ان آبادیوں میں آتے تو انکے منچلے نوجوانوں کے دلوں میں بھی آزاد زندگی گذارنے کی امنگیں انگڑائیاں لینے لگیں اور ان میں سے بعض ان سے جا ملتے اور اس طرح،

ہمسفر آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

عام طور سے یہ نوجوان بڑے طاقتور بڑے بہادر اور بڑے سخت جان تھے۔ صحرا کی چلچلاتی سخت دھوپ میں یا خون جما دینے والی سخت سرد اور تاریک راتوں میں میلوں اور مدتوں سفر کرنا ان کے لیے معمولی بات تھی خطرے کے موقعوں پر ہرنوں سے زیادہ میلوں تیز بھاگنا۔ مدتوں بغیر کھائے پئے چلتے رہنا اور ہر وقت جان کو ہتھیلی پہ لئے رہنا ان کی زندگی کے معمولات میں داخل ہو چکا تھا۔ یہ لوگ غریب۔ مفلس اور قلاش تھے۔ لیکن ان میں غربت و فلاکت سے پیدا شدہ بیماریاں جیسے ٹچاپن۔ خودی و ضمیر کا فقدان اپنی بے وقعتی یا احساس کمتری ذرہ برابر نہ تھی۔ اپنی تہی مائیگی و سوختہ سامانی کے باوجود یہ لوگ بڑے غیرت مند فیاض ایک دوسرے کے غمگسار دوست نواز صلح جو دل کے جیالے اور عزم وارادہ کے پختہ نوجوان تھے۔

حالات نے انہیں مادی وسائل سے محروم کر دیا تھا لیکن قدرت نے ان میں سے بعض کو ایسا ذہن رسا اور ایسا ذوق سلیم اور ایسی حس لطیف اور باریک نظر عطا کی تھی کہ باوجود اپنی سخت کوشی اور بے رہرویوں کے دنیائے شعروشاعری میں روشن ستارے بن کر چمکے۔

ان صعالیک نے اپنی شاعری میں ایک طرف اپنی مخصوص زندگی سے حاصل شدہ تجربات کی روشنی میں زندگی کے بعض لافانی حقائق کی نشان دہی کی ہے، اور ازلی قدروں کے گیت گائے ہیں. فقروغنا کے رمز کو سمجھانے اور موت وحیات کے چہرے سے نقاب ہٹانے کی کوشش کی ہے اور دوسری طرف دکھ درد کی ماری زندگی اور اپنے پیاروں اور اعزہ واقارب سے دوری و مہجوری کے جان گسل لمحات نے ان کے دل کے تاروں کو جب جھنجھنایا تو اس کی صدائے بازگشت ہجر وفراق کے ان دل خراش اشعار میں سنائی دی جن کی کسک اب بھی دل والوں کے رگ جاں پر نشتر کا کام کرتی ہے اور یہ سب کچھ ان کے ان سلجے قصیدوں میں ملتا ہے جو اب بھی

بڑے ذوق وشوق سے پڑھے جاتے ہیں اور اپنی سلاست وروانی شگفتہ بیانی اور فصاحت وبلاغت میں نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔

دور جاہلی کے طبقہ صعالیک میں پانچ نوجوان بہت مشہور ہوتے۔ الشنفری۔ تابط شراً سلیک بن السلکۃ۔ عمرو بن براق اور اسید بن جابر۔ ان میں سے اول الذکر تین صعالیک نے میدان شعر وشاعری میں بھی بڑا نام پیدا کیا۔ ایک الشنفری اور دوسرے تابط شراً اور تیسرے سلیک بن السلکۃ

عجیب بات یہ ہے کہ ان شعراء کی ان امتیازی خصوصیات کے باوجود اردو زبان توکیا' عربی زبان میں بھی ان کے حالات ان کے کلام اور ان کے کارناموں کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا گیا اور یہ اور ان کا کلام تذکرہ کی گنی چنی کتابوں کے بھولے بسرے صفحات میں کھو کر رہ گیا ہے۔

آج کی صحبت میں مذکورہ بالا شعراء صعالیک میں سے صرف "الشنفری" پر تفصیلی گفتگو کی جاتی ہے۔

الشنفری م ۵۱۰ء

الشنفری خالص عرب قحطانی یمنی اور قبیلہ ازد کا فرد اور صعالیک الشعراء" میں ایک ممتاز پرگو شاعر ہے[1]۔ تذکرہ کی کتابوں میں جابجا متفرق طور سے اس کی زندگی کے جو حالات ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا باپ بچپنے ہی میں مارڈالا گیا تھا اور اس کے خاندان والوں نے نہ صرف یہ کہ اس کے خون کا بدلہ نہیں لیا بلکہ باپ کے مرتے ہی آنکھیں بھی پھیرلیں۔ ماں نے جب یہ دیکھا کہ مصیبت کے یہ دن سسرال میں نہ بیت سکیں گے تو الشنفری اور اس کے ایک چھوٹے بھائی کو لے کر اپنے میکہ قبیلہ فہم میں چلی آئی۔ لیکن یہاں بھی اسے وہ سکون چین اور عزت نہ نصیب ہوسکی جس کی اسے توقع تھی۔ چنانچہ جب شنفری بڑا ہوا تو اسے اپنے دادیہالی اور نانہالی دونوں خاندانوں سے سخت

[1] سلسلہ نسب یوں ہے۔ الشنفری بن ربیعہ بن الاواس بن الحجر بن الہن ابن الازد۔ آگے جاکر سلسلہ نسب بنو الحارث سے جاملتا ہے۔

نفرت اور عداوت پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے نہ صرف اس نے ان سب سے رشتہ توڑ لیا بلکہ بعد میں انھیں قبیلوں پر سخت حملے کرتا رہا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ الشنفری کے قبیلہ ازد نے اس کے ننہالی قبیلہ فہم کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ جب ان لوگوں نے خون بہا کا مطالبہ کیا تو ازدیوں نے الشنفری اس کی ماں اور اس کے چھوٹے بھائی کو بطور رہن ان کے حوالے کر دیا اور ان کی کسمپرسی اور بے چارگی کی وجہ سے خون بہا ادا کر کے ان کو آزاد نہیں کرایا۔ چنانچہ شنفری انھیں کے یہاں بڑی ذلت و خواری کی حالت میں پلا بڑھا اور جب جوان ہوا تو ان لوگوں کی طرف سے سخت نفرت و عداوت کے جذبات اس کے دل میں پیدا ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے اپنی غارت گری اور حملہ کا نشانہ انھیں کو بناتا تھا اور ان میں سے جو بھی مل جاتا اسے جان سے مار ڈالتا مفضل ضبی نے روایت کی ہے کہ الشنفری کے ننہالی قبیلہ " فہم بن قیس بن عیلان کی ایک شاخ " بنو شبابہ " نے اسے بچپنے میں قید کر لیا۔ چنانچہ الشنفری ان کے یہاں رہنے لگا۔ ایک دفعہ بنو سلامان بن مفرج نے جو بنو ازد (شنفری کا ددیہالی خاندان) کا ایک بڑا خاندان تھا بنو شبابہ کے ایک آدمی کو جو بنو فہم (شنفری کا ننہالی خاندان) کا ایک فرد تھا کہیں گرفتار کر لیا جب بنو شبابہ نے اپنے آدمی کو واپس مانگا تو بنو سلامان نے اس کے بدلے میں دوسرا آدمی مانگا۔ چنانچہ انھوں نے الشنفری کو بدلے میں دے کر اپنا آدمی چھڑا لیا۔ اور شنفری اب ان کے یہاں رہنے سہنے لگا اور یہ سمجھتا رہا، کہ وہ انھیں کے خاندان کا فرد ہے۔ لیکن ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس سے اس کی آنکھوں سے پردہ ہٹ گیا اور اسے اپنی ذلت و خواری کا ایسا احساس ہوا جو اسے ہمیشہ انتقام کی آگ میں جلاتا رہا۔ ہوا یہ کہ ایک دفعہ اس نے اپنے خیالی باپ کی لڑکی سے یہ کہا کہ " اے بہن ذرا میرا سر تو دھو دو " تو اس نے چٹاخ سے اس کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کر دیا اور بولی کہ تو مجھے اپنی بہن کہتا ہے۔ تیری یہ مجال ؟ اس پر وہ غصہ میں بھرا ہوا اپنے خیالی باپ کے پاس گیا اور بولا کہ یہ بتاؤ کہ میں کون ہوں، کس کا بیٹا ہوں ؟ تو اس آدمی نے کہا کہ تم دراصل " اواس بن حجر" کے خاندان کے فرد ہو۔ میرے بیٹے نہیں۔ یہ سن کر اس کے

تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تم نے مجھے غلام بنا کر جس طرح ذلیل و خوار کیا ہے اس کے بدلے میں تمہارے سو آدمی جب تک جان سے نہ مار لوں گا اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا۔

یہ بھی روایت ہے کہ اس کے باپ کو ازدہی کے قبیلے کے ایک آدمی حرام بن جابر نے قتل کیا تھا جس کی وجہ سے اسے ساری ذلتیں اٹھانی پڑیں اور در بدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے منیٰ کے مقام پر موقع پاکر جابر بن حرام کو قتل کیا اور اس کے بعد جو بھی ازدی اس کے ہاتھ لگ جاتا اسے زندہ نہ چھوڑتا۔

غرضکہ شنفری کی خانماں بربادی اور صعلوکیت اختیار کرنے کے مختلف اسباب راویوں نے بیان کئے ہیں۔ ان کو غور سے پڑھ کر ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شنفری کے ساتھ نہ تو اس کے ننہیالی رشتہ داروں نے اور نہ ہی اس کے اپنے خاندان ازد نے محبت خلوص اور اپنائیت کا سلوک کیا بلکہ اسے ہر جگہ ذلیل سمجھا گیا اسے غلام بنایا گیا اسے یتیمی اور کسمپرسی کی زندگی پر مجبور کیا گیا اور ان حالات کا ردعمل شنفری پر یہ ہوا کہ وہ جوں جوں بڑا ہوتا گیا اسے عزیز و اقارب خاندان حتیٰ کہ اس معاشرہ سے بھی نفرت پیدا ہو گئی جس نے اسے اس طرح تباہ و برباد ہوتے دیکھا لیکن اس کی دادرسی نہیں کی۔ ظالموں کو سزا نہ دی۔ اور مظلوموں کی فریاد نہ سنی۔

قدرت نے اسے بڑے اچھے ہاتھ پاؤں دیئے تھے۔ بڑا ہو کر بڑا گرانڈیل تنومند اور طاقتور جوان نکلا اور دوڑنے میں تو اتنا برق رفتار تھا کہ بڑے سے بڑا صبا رفتار گھوڑا بھی اس کی گرد کو نہیں پہونچ سکتا تھا۔ تابطؓ شرا کی نگاہ دوربین نے، جو خود بھی ایک صعلوک تھا اور رشتہ میں اس کا ماموں اس نوجوان کی تیکھی نگاہوں اور دل و دماغ میں ابلتے جذبات کو تاڑ لیا اور اپنی جمعیت "خاناں بربادان" میں شامل کر لیا۔ اور ساری عمر بڑی محبت اور خلوص کا سلوک کرتا رہا۔ شنفری بھی اپنے قبیلہ ازد کی ریت کے مطابق اسے اپنی "ماں" یعنی گرو کہا

کرتا تھا" ذا ز دی اپنے سردار کو" الام" یعنی" ماں "کے لقب سے پکارتے تھے) اور مرتے دم تک اس کا ہمدم و دمساز رہا اور رزم و بزم ہر جگہ اس کا شریک و سہیم۔

الشنفری اپنی جسمانی طاقت و توانائی کے ساتھ عرب قوم کا سب سے تیز دوڑنے والا شخص بھی تھا۔ ان صعالیک میں تین یعنی الشنفری۔ تابط شرا اور سلیک بن السلکہ ایسے تیز دوڑنے والے مشہور رہے کہ ان کو گھوڑے بھی نہیں پکڑ سکتے تھے۔ چنانچہ بسا اوقات وہ لوٹ مار کرکے اتنی تیزی سے بھاگ جاتے کہ گھوڑ سوار ان کی گرد راہ ہی میں الجھ کر رہ جاتے۔ روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ یہ لوگ ہرنوں کے غول کو جب دیکھتے تو اس میں سے سب سے موٹے ہرن کو چن لیتے اور پھر غول کو دوڑانا شروع کرتے اور آخر کار اسی موٹے ہرن کو پکڑ کر دم لیتے۔ اسے ذبح کرتے اور خوب سیر ہو کر کھاتے۔

کہتے ہیں کہ قدرت کسی کے ساتھ ظلم یا زیادتی نہیں کرتی۔ اگر کسی کو کسی چیز سے محروم کرتی ہے تو کوئی دوسری نعمت بے بہا ایسی عطا کر دیتی ہے کہ ساری محرومیوں کی نہ صرف تلافی ہو جاتی ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی مل جاتا ہے۔ شنفری کو قدرت نے بچپنے ہی سے باپ سے محروم کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس نے جگہ جگہ کی ٹھوکریں کھائیں ذلت و خواری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوا لیکن دوسری طرف قدرت نے اسے تنومند و توانا جسم کے ساتھ بلا کا ذہن عطا کیا تھا۔ ابھی پوری طرح وہ جوان بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے شعر کہنا شروع کر دیا اور سب سے پہلا شعر جو اس نے کہا اس کی تقریب یہ ہوئی کہ اس کا چھوٹا بھائی مر گیا اس حادثے پر اس کی ماں رونے دھونے لگی تو اس نے کہا

لیس لوالدة همها ولا قیلها لابنها دع دع
تطوف وتحذر احواله وغیرك أملك بالمصرع

شنفری جب جوان ہوا تو اس نے ذلت و نکبت، غلامی و خواری کی یہ زندگی چھوڑ کر صحراؤں اور پہاڑوں کی راہ لی۔ اپنے اس عزم کا اظہار اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی مہم کے سلسلے میں اس نے ایک لمبا قصیدہ بھی کہا ہے جس میں ننھیال والوں کو مخاطب کرکے اس عزم

ارادہ کے اسباب بتاتے ہیں اور زندگی سے متعلق اپنا فلسفہ واضح کیا ہے۔ قصیدہ کا مطلع ہے:
٭ اقیموا بنی امی صدور مطیکم (اس کا تجزیہ بعد میں آئے گا)۔ اس نئی دنیا میں شنفری تنہا نہ تھا بلکہ اس جیسے کچھ اور بھی دل جلے، جیسے تابط شرا اسلیک بن السلکہ اور دوسرے منچلے اور چھچھورے نوجوان اسے مل گئے تھے اور اس طرح یہ فطرت کی آغوش میں آزاد اور قید وبند سے دور زندگی گزارنے لگا۔

خاندان اور اس کی چیرہ دستیوں سے آزاد ہونے کے بعد اس نے انھیں کو اپنا نخچیر بنایا اور جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے اس نے اپنے منہ بولے باپ قبیلہ بنو سلامان کے اس آدمی سے اس وقت کہدیا تھا جب اس کی لڑکی نے طمانچہ مارکر اس کی ہتک عزت کی تھی کہ جب تک میں تم میں سے سو آدمی نہ مارلوں گا چین وسکون سے نہ بیٹھوں گا۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان پر مختلف اوقات میں مختلف حملے کئے جن میں بہتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بنو سلامان پر اس قسم کے حملوں کے دوران ہی وہ واقعہ پیش آیا جس میں ایک سلامی ان کے ڈر سے بھیڑیئے کے شکار کرنے کے گڈھے میں کود پڑا تھا اور جسے ان لوگوں نے تیروں سے چھلنی کرکے بھیڑیئے کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا، اور جس کے بعد سلامیوں سے بہت سخت معرکہ ہوا اور اس معرکہ کی یاد شنفری کا وہ قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے۔

أرى أم عمرو أجمعت فاستقلت وما ودعت جیرانها اذ تولت

(اس قصیدہ کا تجزیہ بعد میں آئے گا)

ادھر سلامی بھی شنفری کے آئے دن کے حملوں سے تنگ آکر اس کی جان کے دشمن ہوگئے تھے اور جہاں موقع ملتا تھا گھات لگا کر اس کو قتل کردینے کی ترکیبیں کرتے رہتے لیکن شنفری ہمیشہ ان کے جال سے نکل بھاگتا اور وہ منہ تکتے رہ جاتے۔

مفضل ضبی نے مورج سے روایت کی ہے کہ شنفری نے بنو سلامان کے ننانوے (۹۹) آدمی قتل کردیئے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ کسی سلامی کو زندہ پکڑ لیتا تھا تو اس سے کہتا تھا کہ بول اب

تیری آنکھیں پھوڑ دوں؟ اور اس کے بعد تاک کر اس کی آنکھ میں تیر مارتا اور اس کے بعد اسے قتل کر دیتا۔ سلامی جب خود اس کو پکڑنے میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے ایک دوسرے قبیلہ بنو الرمد کو اس کام پر مامور کیا۔ چنانچہ جب شنفری ایک دن ان پر حملہ کرنے کے لئے آیا تو وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے لیکن وہ ان سے پیچھا چھڑا کر ایسا بھاگا کہ یہ لوگ اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسکے تعاقب میں حبیش نامی ایک کتے کو چھوڑ دیا لیکن وہ بھی اس کو نہ پاسکا اور شنفری صاف بچکر نکل گیا۔

شنفری کے اس قسم کے معرکوں میں ایک اور بہت نامی معرکہ کا ذکر آتا ہے۔ شنفری کے باپ کو حرام بن جابر نے جو خود شنفری کے قبیلہ ازد کا ایک فرد تھا قتل کر دیا تھا۔ اس کا باپ غریب آدمی تھا اس لیے کسی نے اس کے خون کا مطالبہ نہیں کیا۔ باپ کے اس طرح بے دردی سے قتل ہو جانے اور پھر بدلہ نہ لینے پر اس کا دل بہت دکھا اور اس نے اس سلسلہ میں کچھ شعر بھی کہے جس میں اس کی بے کسی اور کسمپرسی کا ذکر کر کے اس وقت اپنی غیر موجودگی پر اظہار افسوس کیا ہے اور اپنے خاندان والوں کو غیرت دلائی ہے[1]۔ اتفاق سے حرام بن جابر حج کے دوران اسے منی کے مقام پر مل گیا اور اس نے وہیں اسے قتل کر ڈالا۔ لوگ جب اس پر جھپٹے تو سرپٹ بھاگ کھڑا ہوا اور کسی کے ہاتھ نہ آیا اس موقع پر اس نے فخریہ ایک شعر بھی کہا۔

قتلت حراما مهديا بملبد ببطن منى وسط الحجيج المصوت

یعنی حرام کو میں نے عین حالت احرام میں وادی منی میں لبیک کہنے والے حاجیوں کے درمیان ایک دوسرے احرام باندھے ہوئے شخص (اسکا والد) کے بدلے میں قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ کی خبر حرام کے بھائی اسید بن جابر کو جو خود بھی بہت نامی اور بہادر سردار تھا ایک آدمی نے سنائی اور یہ بھی کہا کہ میں نے ابھی اسے حباشہ کے بازار میں دیکھا ہے۔ اسید نے اس سے پوچھا کہ تم نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے کہ وہ شنفری ہی تھا اس پر اس آدمی نے کہا کہ خدا کی قسم وہی تھا یہ سن کر اسید بولا کہ خدا کی قسم وہ جب تک اپنے کرتوتوں کا مزہ نہ چکھ لے گا بچ کر نہیں جا سکتا۔

---

[1] اشعار مفضلیات ابن ضبی کے صفحہ ۱۹ پر ملاحظہ فرمائیے۔ تحقیق کارموس یعقوب لائل۔

چنانچہ اس نے اپنے مقتول بھائی حرام کے دو لڑکوں کو ساتھ لیا اور سب رات کی تاریکی میں شنفری کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جب رات بھیگ گئی تو شنفری کے آنے کی آہٹ ہوئی مگر اس طرح کہ اس کے ایک پاؤں میں جوتا تھا اور دوسرے پاؤں سے ننگا تھا۔ یہ چال اس نے اس لیے چلی تھی کہ کسی کو آدمی کی چال کا شک نہ ہونے پاتے چنانچہ آہٹ جب اور قریب ہوئی تو اسید کے بھتیجوں نے کہا کہ بخدا یہ انسان کی چاپ نہیں یہ تو بجو کی چال ہے۔ مگر اسید نے کہا کہ ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم یہ وہی کم بخت ہے۔ اس لیے تم لوگ اب تیار ہو جاؤ۔ ادھر شنفری کو جب ان کے سائے دکھائی دیئے تو وہ الٹے پاؤں واپس ہو گیا اس پر لڑکے نے کہا بخدا بڑا چالاک ہے۔ ہماری موجودگی کو بھانپ گیا اور بھاگ لیا۔ اسید نے کہا ہرگز نہیں۔ وہ اپنی اس حرکت سے ہمیں اپنا پیچھا کرنے کی دعوت دے رہا ہے وہ پھر واپس آئے گا تم دیکھ لینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شنفری تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آیا۔ اب کی دفعہ بھی جب اسی جگہ پر اسے ان لوگوں کی موجودگی کا شبہ ہوا تو اس نے تاک کر اس اندھیرے میں ایسا تیر مارا کہ اس کی دونوں پنڈلیوں کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ مگر موقعے کی نزاکت کی وجہ سے اسید نے کوئی حرکت نہیں بلکہ دم سادھے بیٹھا رہا۔ اب شنفری کو اطمینان ہو گیا کہ راستے میں کوئی بے نہیں۔ چنانچہ وہ بے دھڑک آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ جب ان لوگوں کے برابر پہونچا تو وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو پکڑ کر رسّے سے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور گھسیٹتے ہوتے اپنے قبیلہ میں لائے اور اوندھے منھ زمین پر ڈال دیا جب یہ خبر قبیلہ میں پہونچی تو بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور شنفری کے انجام کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ بعض کا خیال تھا کہ اس کی گردن ماردی جائے مگر غالباً بڑے بوڑھوں کی رائے یہ ہو رہی تھی کہ یہ ہمارے ہی خاندان کا فرد ہے طاقتور۔ بہادر۔ دوڑنے میں برق رفتار اور ان سب خصوصیات سے بڑھ کر اچھا شاعر بھی ہے اس لئے اس سے صلح کر کے اسے اپنا لیا جائے تاکہ یہ قوت اور اپنی خداداد صلاحیتیں جو یہ ہمارے خلاف استعمال کرتا ہے ہماری طرف سے مدافعت میں استعمال کرنے لگے۔ یہ گفتگو ایک نوخیز لڑکا بھی سن رہا تھا جس کے باپ کو شنفری نے قتل کر دیا تھا۔

اسے یہ خطرہ ہوا کہ یہ بڑے بوڑھے اسے کہیں معاف نہ کر دیں اور اس طرح میرے باپ کا خون کا بدلہ رہ جائے، اس نے بغیر کسی کو بتائے خنجر کے ایک وار سے اس کا ہاتھ کاٹ کر اس کے سامنے ڈال دیا۔ اس ہاتھ کی ہتھیلی میں ایک کالا تل بھی تھا جسے دیکھ کر شنفری نے چند شعر بھی کہے[1]۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ پھوڑے سے اس کا ہاتھ کٹ گیا ہے تو سمجھ گئے کہ اب اس کا بچنا مشکل ہے۔ چنانچہ اسید بن جابر نے اعلان کیا اگر شنفری پر کسی کا کوئی مطالبہ ہو تو آ کر اپنا مطالبہ مانگ لے۔ چنانچہ لوگ جمع ہوتے اور سب کے سامنے اسے ایک درخت سے باندھ دیا گیا اور اسی حالت میں مر گیا۔

ابن ضبی نے ایک دوسری روایت میں بیان کیا ہے کہ اسید بن جابر وغیرہ اسے رسوں سے باندھ کر اپنے قبیلہ میں لائے اور ایک درخت سے باندھ دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس سے شعر پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس پر شنفری نے جواب دیا کہ: "إنما النشيد على المَسَرَّة" شعر خوشی کے موقعہ پر اچھا لگتا ہے۔ چنانچہ اس کا یہ جملہ ضرب المثل بن گیا۔ اس کے بعد ایک لڑکے نے اس کا ہاتھ پھوڑوں سے کاٹ کر اس کے سامنے ڈال دیا۔ اپنی ہتھیلی کے کالے تل پر جب شنفری کی نظر پڑی تو اس نے ایک شعر پڑھا۔ اس کے بعد لوگوں نے اس سے پوچھا کہ سولی پر چڑھانے کے بعد تم کو کہاں دفن کریں تو جواب میں اس نے یہ شعر پڑھے:

لا تقبروني انّ قبري محرم — عليكم ولكن أبشري أم عامر
إذا احتملوا رأسي وفي الرأس أكثري — وغودر عند الملتقى ثمّ سائري
هنالك لا ارجو حياة تسرّني — سجيس الليالي مبسلا بالجرائم

لوگ مجھے دفن نہ کرنا۔ تم لوگوں پر میرا دفن کرنا حرام ہے۔ البتہ بجو کو بشارت ہو کہ جب لوگ میرا سر کاٹ لے جائیں گے اور باقی دھڑ ڈال جائیں گے تو اسے کھانے کا موقع مل جائے گا۔ ایسی حالت میں کہ میں لمبی لمبی راتوں میں بے یار و مددگار جرائم کا بوجھ اٹھائے پڑا رہوں مجھے کسی

[1] شعر مفضلات ابن ضبی تحقیق کارلوس یعقوب لائل کے صفحہ ۱۹۹ پر ملاحظہ کیجئے

خوش کن زندگی کی تمنا نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ جب شعر پڑھ چکا تو ایک سلامی نے سامنے آکر اس سے کہا کہ بول اب تیری آنکھیں پھوڑ دوں؟ پھر اس نے اس کی آنکھوں میں ایک نیزہ مارا اور اس طرح اسے قتل کر دیا مرنے سے پہلے شنفری نے اس سے کہا کہ "ایسا ہی میں تم لوگوں کے ساتھ بھی کرتا تھا" جیسا کہ معلوم ہے شنفری نے قسم کھائی تھی کہ قبیلہ ازد کے اس شاخ بنو سلامان میں سے سو آدمی جان سے ماریگا اب تک وہ ننانوے آدمی مار چکا تھا۔ اس کو قتل کرنے کے بعد سلامیوں نے اس کے سر کو قبیلہ میں ڈال دیا تھا۔ اتفاق سے ادھر سے ایک سلامی گذرا اور اس نے اس کے سر کو ٹھوکر ماری کھوپڑی کی ایک ہڈی اس کے پیر میں چبھ گئی اور اس سے زہر باد پھیل گیا اور وہ مر گیا اور اس طرح سو آدمی مارنے کی شنفری کی قسم پوری ہو گئی۔

شنفری کے مرنے کے بعد اس کے مربّی اور دکھ درد کے ساتھی تابطّ شرا نے اس طرح اس کا مرثیہ کہا

علی الشنفری ساری الغمام ورائح	غزیر الکلی وصیب الماً باکر
علیك جزاً مثل یومك بالجما	وقد رعفت منك السیوف البواتر
ویومك یوم العیکیتین وعطفة	عطفت وقد مس القلوب الحناجر
تجول ببزاً الموت فیہ کانّہم	لشوتك الحدّ ی ضیئن نوافر
فانك لولاقیتنی بعد ما تری	وهل یلقین من غیبته المقابر

کہتے ہیں کہ شنفری کا ڈگ (دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ) جب ناپا گیا تو معلوم ہوا کہ پہلا ڈگ ۲۱ قدم کا دوسرا ۱۷ قدم کا اور تیسرا ڈگ ۱۵ قدم کا تھا اور اس سے اس کی ہرنوں سے بھی تیز دوڑنے کا راز معلوم ہو جاتا ہے۔

شنفری کے بعض چیدہ اشعار

شنفری نے مدح، فخر حماسہ کے علاوہ غزل میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے غزلیہ اشعار اس کی محبوبہ امیمہ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ اس کی غزلیہ شاعری کی مثال اس کے تائیہ قصیدہ میں ملتی ہے۔ جو بہت دل آویز

وصف میں | اور موثر ہے اس قصیدہ میں اپنی محبوبہ کا سراپا کھینچتے ہوئے صرف ایک شعر میں اس کے سارے خط وخال کو ابھار کے رکھ دیا ہے۔ کہتا ہے۔

فدقت وجلت واسبکرت واکملت فلوجن انسان من الحسن جنت

یعنی اس کا ناک نقشہ بڑا انیکھا۔ اعضا بڑے سبک اخلاق وعادات بہت ہی پیارے اور انداز و اطوار بڑے بانکے اور قد قدرعنا۔ بس یوں سمجھو کہ قدرت نے اسے ہر طرح سے ایسا مکمل پیدا کیا ہے کہ اگر انسان حسن کو دیکھ کر دیوانہ ہو سکتا ہے تو اس پر صرف ایک نظر ہی پڑ جانے سے عقل وخرد کھو بیٹھے گا۔ چلتے ہیں محبوبہ کی شرم وحیا کا نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

کأن لها فی الأرض نسیا تقصاء علی أمها وإن تکلمك تبلت

یعنی وہ جب راہ چلتی ہے تو اس طرح زمین میں نظریں گڑوئے ہوئے کہ جیسے اس کی کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہو اور وہ اسے ڈھونڈ رہی ہے اور اگر تم سے بات کرے تو بس ہکلا کر دو ایک جملے کبھی پورے اور کبھی ادھورے۔

غزل میں | شنفری جیسے صحرا نورد، آزاد منش اور خون کی ہولی کھیلنے والے نوجوان کے دل میں جب محبت اپنی جوت جگاتی تھی تو اس کی لپٹ سے اس کا پتھر جیسا دل بھی سلگ اٹھتا تھا، اور جب ہجر وفراق کے جاں گسل لمحات زندگی کی لذتوں اور بادۂ شبانہ کی سرمستیوں کو دکھ درد کی کہانی بنا دیتے تو وہ بھی دل پر ہاتھ رکھ کر آہ سرد بھرتا۔

فواکبدا علی امیمة بعد ما طمعت، فهبه نعمة العیش زلت

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

زندگی نے اور خود تو نے مجھے بڑے دکھ دئے، مگر میں تجھ کو برا بھلا نہ کہہ سکا۔ تجھ کو بھلا نہ سکا اور جب بھی تیری یاد آگئی تڑپا گئی۔

فیا جارتی وانت غیر ملیمة اذا ذکرت ولا بذات تقلت

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

حکمت وفلسفہ | شنفری نے باوجود اپنی جہالت اور صعلوکیت کے حکمت وفلسفہ کی باتیں بھی کہی ہیں۔ اس قسم کے اشعار میں اس کا وہ شعر بہت مشہور رہے جس میں کہتا ہے کہ جب آدمی کو ایک جگہ عزت وآبرو سے رہنا نصیب نہ ہو تو اسے جگہ چھوڑ کر اپنی دنیا الگ بسانی چاہیئے۔

وفی الارض منائ للکریم عن الاذی وفیہا لمن خاف القلی متحول

زندگی نام ہے اونچ نیچ کا۔ کبھی غربت ہے تو کبھی تونگری۔ مگر آدمی کو اس سے ہراساں نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اپنی مہم میں سرگرم رہنا چاہیئے جب فقروفاقہ ہو تو صبروسکون اختیار کرے۔ جب فارغ البالی میسر ہو تو پھول نہیں جانا چاہیئے۔

وأعدم أحیانا وأغنی وانما ینال الغنی ذوالبعدۃ المتبذل

فلاجزع من خلۃ متکشف ولامرح تحت الغنی أتخیل

عزت نفس وخودداری | شنفری نے اپنی غربت وفلاکت کے باوجود جوہر خودی کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ کہتا ہے :-

ولکن نفساحرۃ لاتقیم بی علی الذم الاریثما اتحول

گذارش

خریداری برہان یا ندوۃ المصنفین کی ممبری کے سلسلہ میں خط وکتابت کرتے وقت یا منی آرڈر کوپن پر برہان کی چٹ نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں تاکہ تعمیل ارشاد میں تاخیر نہ ہو

(منیجر)

ادارہ کے قواعد وضوابط مفت طلب فرمائیے۔

علم نحو کا ارتقاء

ڈاکٹر محمد رضوان صاحب علوی
پروفیسر و صدر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی

حجاز کے دونوں شہر۔ مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ ـــ عہدِ بنی امیہ میں طرب و نشاط اور عیش و آرام کے گہوارے بن گئے تھے۔ شعر و موسیقی سے دلچسپی رکھنے والے یہاں کشاں کشاں چلے آتے تھے لیکن عراق کے دو شہروں میں یہی زمانہ انتہائی علمی سرگرمیوں کا زمانہ تھا۔ ان شہروں سے مراد کوفہ اور بصرہ ہے جو ان دنوں ثقافتی جد و جہد کے سب سے عظیم اور اہم مرکز تھے۔ علم نحو کی نشو و نما انھیں دو شہروں کی رہین منت ہے جو پہلی صدی ہجری میں اہل علم کی آماجگاہ تھے عہد قدیم میں بھی تقریبًا تین ہزار سال قبل مسیح سے متمدن اقوام ہی اس پر جو دجلہ اور فرات کی وادی میں جو جنوبی حصے کی سمت واقع تھا جس کی زمین سرسبز اور زرخیز، آب و ہوا معتدل، آبادی اور مدنیت میں تمام روئے زمین پر سبقت رکھتا تھا، حکمرانی کرتی تھیں۔ بابلی، آشوری، کلدانی، ایرانی اور یونانی تمام اقوام نے عراق میں مختلف حکومتیں قائم کیں جو زندگی کے بہت سے شعبوں میں ایک دوسرے سے متبائن تھیں۔ عہد قدیم میں عربوں نے بھی اس سرزمین سے پوری پوری واقفیت حاصل کر لی تھی۔ جب حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا تو عربوں نے اس پر دوبارہ قبضہ کیا اور اس میں بصرہ اور کوفہ جیسے شہر آباد کئے جو بہت جلد بین الاقوامی شہرت کے حامل ہو گئے۔ مدائن کے خزانے، بابل اور حیرہ کے تمدنی آثار یہاں منتقل ہو گئے۔ اموی دور میں عراق کی مدنیت ان ہی دونوں شہروں

میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ جب عراق کا لفظ لوگ استعمال کرتے تو اس سے مطلب بصرہ اور کوفہ کے شہری ہوتے تھے بلکہ اکثر ان کے لئے عراقین" کا لفظ بول دیا جاتا تھا[1]

امویوں کے دورِ خلافت میں خراسان تک جملہ صوبوں کا مرکز بصرہ تھا جہاں سے ایران کی سرحد قریب تھی۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں یہیں عربی اور اس کے صرف و نحو کی علمی تحقیق و تدریس کی پہل ہوئی۔ ان ہی دونوں شہروں میں نحویوں اور لغویوں کے مختلف دبستان معرض وجود میں آئے۔ پہلی وجہ تحریک تو یہ تھی کہ ان دونوں شہروں میں مختلف قبائل کے باشندے بڑی تعداد میں آباد تھے جن کا لب ولہجہ ایک دوسرے سے متفاوت[2] تھا۔ نہ جانے کتنے کاریگر اور دوسری صنعت و حرفت کے واقف کار فارسی زبان بولتے تھے۔ اس ماحول میں صحیح عربی زبان میں بہت کچھ خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ چنانچہ اس کے تحفظ اور سلامتی کی ضرورت محسوس کی گئی کہ مستقبل میں کلام اللہ میں کسی تحریف کا اندیشہ باقی نہ رہے[3]۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان نومسلموں کی لسانی ضرورت پوری کی جائے جو قرآن مجید پڑھنا اور سرکاری ملازمت میں جانا چاہتے تھے یا خالص عربوں سے جنہیں واسطہ تھا[4] ابوالاسود دُؤلی پہلا شخص تھا جو علم و نحو کی جانب متوجہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ دؤلی کے واسطے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اصول نحو وضع کئے تھے۔ انھوں نے کلام کے تین جز و متعین کئے: اسم، فعل اور حرف اور ہدایت کی کہ وہ اسی پر پورے صرفی اور نحوی قواعد کو ترتیب دے[5]۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک بار واضع فن نحو ابوالاسود والی کوفہ و بصرہ زیاد بن ابیہ کے پاس گیا اور کہا" اللہ آپ کے کاموں کو سدھارے میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب و عجم کے اختلاط سے زبان عربی بگڑ گئی ہے۔ کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں ان کے لئے کچھ ایسے قواعد ترتیب

---

[1] فجر الاسلام ص ۱۸۰۔ [2] جرجی زیدان ج ۳ ص ۱۱۳۔ [3] تاریخ الأدب شطیب محمود ص ۱۲۲ [4] ابن خلکان ج ص ۲۲۳۔

دے دوں جن کے ذریعہ وہ اپنی زبان کو صحیح کرلیں۔ زیاد نے اسے ایسا کرنے سے روکا۔ مگر بعد میں اجازت دے دی کیوں کہ اس نے خود اپنے کانوں سے ایک شخص کو یہ کہتے سنا تھا "توفی آبانا وترک بنون"[1] چنانچہ ابوالاسود نے ایک باب تعجب کے نام سے مرتب کیا اور پھر فاعل ومفعول کا باب اور پھر جب کبھی کوئی نحوی اور صرفی غلطی سنتا تو اسے درست کرنے کے لئے ایک قاعدہ بنا دیتا۔ آگے چل کر اس کے مرتب کردہ قواعد کو بصرہ وکوفہ کے ادبا نے لے کر ان کی تکمیل وتفصیل کی مورخین اس امر پر متفق نہیں ہیں کہ ابوالاسود نے اپنی طرف سے نقطے ایجاد کئے بلکہ سریانی زبان سے اس کی واقفیت سے کہیں پہلے اس زبان کی نحو مرتب ہو چکی تھی یا پھر وہ سریانی زبان کے علماء وادبا کے یہاں آمد ورفت رکھتا تھا جو ان قواعد کے مرتب کرنے میں اس کا ممد ومعاون ہوا۔ شروع شروع میں عربی تحریر حرکات اور نقطوں سے مبرا ہوتی تھی جس کی وجہ سے تحریر اور عام بول چال میں بڑی غلطیاں ہونے لگیں اور قرآن خوانوں نے بھی ایسے ہی اندیشوں کا اظہار کیا۔ چنانچہ ابوالاسود نے امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں کلام اللہ کے آخری حروف کو نقطوں کے ذریعہ واضح کیا۔ اس نے زبر، زیر، پیش سے اہل علم کو روشناس کرایا۔ پھر لوگوں نے نقطوں کا استعمال شروع کیا مگر کہا جاتا ہے کہ ان نقطوں کے لئے وہ تحریر کے مخالف رنگ کی روشنائی کا استعمال کیا کرتے تھے۔ آگے چل کر خط کی شکلیں تبدیل ہونا شروع ہوئیں اور حروف باہم مشابہ ہونے لگے۔ ج، ح، خ، د، ذ، ر، ز، س، ش، اور ع اور غ میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا تو حجاج بن یوسف نے ابوالاسود کے دو شاگردوں نصر بن عاصم اور یحیٰی بن یعمر کو حکم دیا اور انھوں نے حروف کی پہچان میں آسانی کے لیے نقطے بھی اسی سیاہی سے لکھنے کا طریقہ نکالا جس سے عبارت لکھی جاتی تھی۔ ابوالاسود نے بصرہ کے نحوی مدرسہ کی بنا رکھی جو اہل دانش کی نظر میں کوفی مدرسہ سے بہت سی چیزوں

---

[1] مذہرج ۲ ص ۱۹۹۔

میں افضل مانا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ بصرہ کے مدرسہ میں منطق پر زور دیا جاتا تھا۔ شاید اسی لئے بصری نحویوں کو اہل منطق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کوفہ کے نحویوں کی مصطلحات بصرہ کے نحویوں کی مصطلحات سے مختلف تھیں اہل بصرہ کا پہلے منطق سے استفادہ کر لینا محض اتفاق نہ تھا بلکہ قدرتی امر تھا کیوں کہ بصرہ میں فلسفیانہ مذاہب کا چلن دوسرے شہروں سے بہت پہلے ہو گیا تھا۔ بصرہ کے نحویوں میں شیعہ اور معتزلہ کی بھرمار تھی جنہوں نے غیر ملکی فلسفہ اور حکمت کا عمیق مطالعہ کیا تھا تاکہ وہ اپنے مذاہب کلامیہ میں اس سے خاطر خواہ استفادہ کر سکیں[1]۔ بصرہ اور کوفہ کے نحوی علماء میں نحوی اصول وضوابط کی تشکیل میں بڑا اختلاف رہا ہے۔ بصری علماء "سماع" پر زور دیتے تھے جب کہ کوفی علماء کو اصرار تھا کہ روایت نحوی قواعد کی اساس حقیقی ہے[2]۔ نحوی اصول کو مرتب کرنے میں ہارون بن موسیٰ نے پہل کی۔ وہ یہودی تھا مگر بعد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا ایک اچھا ادیب تھا مگر کوئی تالیفی کام نہ کر سکا۔ تصنیف کی طرف سب سے پہلے عیسیٰ بن عمر الثقفی متوجہ ہوا۔ وہ بڑا فصیح وبلیغ ادیب تھا اور بات کی تہہ تک بہت جلد پہنچ جاتا تھا۔ اسی کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے دو کتابیں الجامع اور الاکمال لکھیں جن کا ذکر خلیل بن احمد نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ مگر وہ لاپتہ ہیں۔ اس کی موت ۱۴۹ھ ۷۶۶ء میں واقع ہوئی[3]۔

عباسی عہد خلافت میں علم نحو کی تعلیم مسجد مسجد ہوتی تھی اور اسے کتابی شکل میں بھی پیش کیا جا رہا تھا اور اس کے اصول وقواعد مرتب ہو رہے تھے لیکن فن نحو کو مستقل فن کی حیثیت سے پیش کرنے کا سہرا البصری علماء کے سر ہے۔ نحوی قوانین سب سے پہلے ابن اسحاق حضرمی نے بیان کئے۔ جب اس علم کا چرچا بصرہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں ہو گیا تو ان کو دیکھ کر اہل کوفہ نے بھی اس فن میں دلچسپی لی اور بصریوں کے

---

[1] تاریخ الفلسفہ فی الاسلام (T. G. D. BOER) ترجمہ عبدالہادی ابوریدہ ص ۳۵ [2] جرجی زیدان ج ۳ ص ۱۱۲ [3] الفہرست ص ۶۳